خفی میں نہ ہوگی۔ ارے بیٹھو ذکر خفی میں تو اس سے زیادہ ریا ہوگی۔ کیونکہ ذکر جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے کہ بس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کر رہے ہیں۔ اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہے۔ عرش کی یا کرسی کی۔ چاہے میاں سوتے ہی رہیں۔ چنانچہ مولاناؒ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحبؒ کی خدمت میں تھے۔ اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کو ہم ذکر جہر کرتے تھے اور وہ ذکر خفی، مگر صبح کو وہ شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد نیند آگئی تھی اور میں سر جھکائے سو رہا۔ اور ہم سب اپنا معمول پورا کر لیتے تھے۔ تو حضرت ذکر خفی میں بعض دفعہ آپ سوتے ہی رہیں گے۔ اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب مراقب ہیں۔ تو یہ اچھا انسداد ریا ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے۔ بس یہ وسوسہ لغو ہے۔

(ارضاء الحق حصہ دوم ص۶۷ ذم ھوی ص۱۹)

۹۲ فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا کیونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے ان کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے ہٹے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا صاحبو! آپ لوگ کیوں ہٹ گئے، کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں۔ میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں۔ اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ چنانچہ سب غریب طلباء کو بھی ساتھ بٹھلا کر ساتھ کھلایا۔ شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولاناؒ نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہہ دیا ہوگا۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا۔ جن صاحبوں نے مولاناؒ کو دیکھا ہے وہ تو خوب جانتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے۔ ان کیلئے ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوئیں۔ جس قدر طالب علم شریک درس تھے۔ سب کتاب کی حفاظت کیلئے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور مدرسہ دری میں پناہ لی اور کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے، صحن کی طرف جو رخ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہاں کس قدر شان کو جتلایا جاتا تھا۔ شان نہ تھی بلکہ محض محبت دینی تھی کہ غرباء کو امراء سے کچھ کم نہیں سمجھا۔ یہی لوگ ہیں جن کی بدولت دنیا کا کارخانہ قائم اور نظام عالم مسلسل ہے۔ جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے۔ قیامت قائم ہو جائے

گی۔ (اکمال الصوم والعید ص ۲۴)

۶۳۔ فرمایا: میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے مرزا صاحبؒ (حضرت مرزا جانجاناں مظہرؒ) کی حکایت سنی ہے کہ تھانہ بھون کے ایک رئیس حضرت (مرزا صاحبؒ) کی خدمت میں زیارت کیلئے حاضر ہوئے ان کے ایک مصاحب بھی تھے جو کسی ضرورت سے اٹھ کر گئے اور ادھر پشت ہوئی۔ مرزا صاحبؒ نے اس وقت ان کے پاجامہ کے نیفے میں سلوٹیں بے ڈھنگی طرح پڑی ہوئی دیکھیں۔ مرزا صاحبؒ نے ان رئیس سے فرمایا تمہارا ان کے ساتھ کیسے گزر ہوتا ہے جن کو پاجامہ پہننا بھی نہیں آتا۔ دیکھو تو نیفے میں سلوٹیں کس طرح پڑی ہوئی ہیں کہ ایک طرف کم ایک طرف زیادہ۔

اس سے حضرت مرزا صاحبؒ کی لطافت مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

۶۴۔ فرمایا: کہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے، چلتے ہو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے صاف انکار کر دیا، نہیں حضرت میں نہیں جاسکتا۔ کیونکہ میں ہندوستان میں اسکو منع کیا کرتا ہوں لوگ سند پکڑیں گے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی شان دیکھیئے، فرمایا جزاک اللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ اور اگر کوئی پیر ہوتا تو سمجھتا کہ مرید ہی سے خارج ہو گئے اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مولود میں نہ جانے کو پسند فرمایا۔ پھر خود تشریف لے گئے اس قول اور فعل سے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ حضرتؒ کا عجیب رنگ تھا۔ تصوف غالب تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ ہر شخص مجھ کو اپنا رنگ سمجھتا ہے حالانکہ میرا کوئی رنگ نہیں۔ (حسن العزیز ص ۱۷۲)

۶۵۔ فرمایا: کہ انبہٹہ کے ایک صاحب منشی تجمل حسین حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت تھے۔ ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے۔ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ انکی بی بی نے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے شکایت کی۔ مولاناؒ نے فرمایا کیوں ادھر ادھر پھرتے ہو۔ عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرات کے برابر کوئی کامل نہیں۔ اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جائے۔ اسکی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہوں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس میں کیا رکھا ہے۔ عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ نہیں رکھا۔ لیکن میں اسکو کیا کروں کہ جی چاہتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ۔ مسجد میں جا بیٹھے ادھر مولاناؒ وضو کر کے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے۔ کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنی تھی کہ ادھر ان کا قلب جاری ہو گیا۔ دوڑ کر مولاناؒ کے قدم پکڑ لئے کہ الحمد للہ جو میں چاہتا تھا وہ حاصل ہو گیا اب میں کسی سے نہ ملوں گا چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ادھر ادھر پھرنا چھوڑ دیا۔ (حسن العزیز ص ۳۹۱) (باقی آئندہ)

محمد محترم فہیم عثمانی

حضرۃ شاہ فضل علی قریشی رح

ایک ملاقات — ایک تاثر

الحق ماہ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ کے شمارے میں حضرت خواجہ فضل علی شاہ قریشی مسکین پوری علیہ الرحمۃ کے ملفوظات مبارکہ نظر نواز ہوئے۔ حضرت کے اسم گرامی پر نظر پڑتے ہی برسوں پہلے کی ایک یادِ تازہ ہوگئی۔ زبان پر حضرت کے ملفوظات تھے اور دماغ میں تمام وہ نقوش اجاگر ہو رہے تھے جو وقت کے ظالم ہاتھوں ماند پڑ چکے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب راقم الحروف کے والد مرحوم مولانا محمد مسلم عثمانی دیوبندی کے پیرومرشد تھے اور اسی تعلق سے آج سے تقریباً ۳۵، ۳۶ سال قبل راقم الحروف کو اپنے بچپن کے زمانہ میں حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ سے شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا۔ یہ تقریباً ۱۳۵۳ھ یا ۱۳۵۴ھ کا زمانہ تھا جب حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ ایک بار راقم الحروف کے وطن مالوف دیوبند تشریف لائے اور والد مرحوم کی درخواست پر کچھ دیر کے لئے ہمارے مکان پر بھی قدم رنجہ فرمایا۔

راقم الحروف کی عمر اس وقت بمشکل پانچ سال کی ہوگی۔ ظاہر ہے اس عمر کا کوئی واقعہ ذہن میں شاذ و نادر ہی محفوظ رہتا ہے۔ مگر شاید حضرت خواجہ صاحب کی توجہ خاص کا یہ فیض تھا، کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ گو ذہن سے حضرت کی زیارت کی تفصیلات محو ہوتی گئیں مگر حضرت کے اس دستِ مبارک کا لمس جو حضرت نے جوشِ شفقت میں اس عاجز کے سر پہ رکھا تھا عمر کے ہر حصہ میں تازہ رہا۔ آج تک عالم یہ ہے کہ ذرا تصور کرتا ہوں تو حضرت کے انس و محبت سے بھرپور ہاتھ کی نرمی اور گدگداپن ذہن کے نقوش پر ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی والدہ محترمہ بتاتی ہیں کہ تمہاری ان دنوں نئی نئی بسم اللہ ہوئی تھی اور محلہ کے [illegible] صاحب کے پاس تم غالباً عم کا پارہ پڑھنے جاتے تھے۔ حضرت نے اس موقع پر [illegible] میں کچھ دعائیہ کلمات کہے جو

پردہ میں ہونے کے باعث بالفاظہ تو نہیں سنے جا سکے مگر وہ یقیناً ہمارے ذہن اور حافظہ کی تیزی سے متعلق تھے۔ حضرت کی دعا کا یہ اثر تھا کہ چھ مہینے نہ گذرنے پائے تھے کہ راقم الحروف نے ناظرہ قرآن کریم ختم کر لیا۔ حافظ صاحب جتنا سبق دیتے تھے اگلے روز اس سے دوگنا جا کر سنا دیتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کے ان دعائیہ کلمات ہی کا یقیناً یہ فیض تھا کہ ناظرہ قرآن کے بعد محض ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں قرآن شریف حفظ بھی ہو گیا۔ اور اسی طرح حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت سے سات سال کی عمر میں راقم الحروف قرآن کریم کا حافظ بن گیا۔ اب تک بھی الحمد للہ حضرت کی دعا کا اثر پاتا ہوں۔ حافظہ کی قوت الحمد للہ اب بھی اتنی قائم ہے کہ مشکل سے مشکل عبارت اگر زبانی یاد کرنا چاہوں تو اپنی جانی پہچانی زبانوں میں سے خواہ کسی زبان میں بھی ہو بآسانی طویل سے طویل عبارات یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت خواجہ صاحب کی دیوبند تشریف آوری کس سلسلہ میں ہوئی تھی۔ یہ تو نہ مجھے یاد ہے۔ اور نہ کسی دیگر ذریعہ سے ہی معلوم ہو سکا ہے۔ البتہ والدہ فرماتی ہیں کہ ان دنوں کچھ عرصہ پہلے حضرۃ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تھا، ان کے مزار مبارک پہ حاضری کی غرض سے شاید حضرت خواجہ صاحب دیوبند تشریف لائے تھے۔ قیام بہت مختصر وقفہ کیلئے تھا۔ صبح کے ناشتہ پہ والد صاحب کی درخواست پر ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت کا حلیہ مبارک تو ذہن میں محفوظ نہیں رہا۔ البتہ اتنا یاد پڑتا ہے کہ حضرت تہبند باندھے ہوئے تھے۔ والدہ فرماتی ہیں۔ کہ حضرت کے تقوٰی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ کہ ناشتہ میں کوئی بھی ترچیز ایسی نہ ہو جو کسی ہندو یا غیر مسلم کے یہاں سے آئی ہوئی ہو۔ حتیٰ کہ گھی تک بھی بطور خاص ایک مسلمان پڑوسی کے گھر سے منگایا گیا جسکی اپنی بھینس تھی۔ کیونکہ دیوبند کی دکانوں پہ جو گھی آتا تھا وہ عموماً گاؤں کے لوگ شہر میں لاکر فروخت کرتے تھے اور ایسے گھی کے بارے میں اس بات کا تعین مشکل تھا کہ وہ مسلمان کے گھر کا ہے یا ہندو کے گھر کا۔ ناشتہ میں دیگر اشیاء کے علاوہ آم کا سادہ اچار بھی تھا۔ دیوبند میں یہ طریقہ عام تھا کہ رس بھرے آم کو نچوڑ کر اس میں نمک مرچ ملا لیتے تھے، اور روٹی لگا کر کھاتے تھے۔

حضرت دیگر تمام اشیاء کو چھوڑ کر اسی اچار سے روٹی تناول فرماتے رہے۔ والد مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ناشتہ میں جتنی اشیاء ہیں ان میں سے کوئی بھی شئے ایسی نہیں ہے جو ہندو کے یہاں سے خریدی گئی ہو یا جس میں بطور خاص اس لحاظ سے تقوٰی کا خیال نہ رکھا گیا ہو

حضرت نے فرمایا یہ درست ہے مگر اس سادہ اچار کے کھانے سے تقویٰ موٹا ہوتا ہے۔ اور ان دیگر اشیاء کے کھانے سے نفس موٹا ہوتا ہے۔ بتاؤ تمہیں کس کا موٹا ہونا مطلوب ہے۔ غرض حضرت خواجہ صاحب نے پورا ناشتہ اسی سادہ اچار سے ہی تناول فرمایا۔ والد صاحب نے بعد میں گھر والوں کو بتایا کہ اسی طرح حضرت نے لائل پور میں ایک دعوت میں ساری روٹی محض پانی سے تناول فرمائی۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب لائل پور تشریف لائے والد مرحوم کے پاس قیام فرمایا۔ والد صاحب مدرسہ اشاعت العلوم میں درس و تدریس کی ذمہ داری کے سلسلہ میں کوئی بیس بائیس سال لائل پور میں رہے ہیں۔ غرض حضرت خواجہ صاحب لائل پور تشریف لائے تو والد صاحب کے پاس ٹھہرے۔ ایک مرید نے دعوت کر دی۔ حضرت نے قبول تو فرمائی مگر دعوت میں سالن اور پلاؤ وغیرہ میں سے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ ساری روٹی محض پانی کے ساتھ تناول فرمائی۔

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دراصل حضرت خواجہ صاحب کو اکلِ حلال اور طیب غذا کا حد درجہ اہتمام تھا۔ اسی بناء پر غذا کے معاملہ میں حضرت اس قدر محتاط تھے کہ پھلوں کے سوا بازار کی کوئی چیز تناول نہ فرماتے تھے اور نہ ہی کوئی ایسی شے کھاتے جس میں بازار کا گھی ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر تبلیغی سفر میں حضرت خواجہ صاحب اپنے ساتھ کھانا پکانے کا سامان بھی رکھتے اور گھر سے گھی مسالہ وغیرہ تک لیکر چلتے۔

حضرت خواجہ صاحب کی اس عادتِ احتیاط کے سلسلہ میں والد صاحب نے ایک مرتبہ نقل فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحب ایک روز اکلِ حلال اور طیب غذا کا ذکر کر رہے تھے۔ دوران ذکر فرمانے لگے کہ میں زمانۂ سلوک میں گھر سے دو روٹیاں پکوا کر حضرت قبلۂ عالم خواجہ سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتا اور تمام راستے اسی پہ گذارہ کرتا، مگر مشکوک غذا نہ کھاتا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایک دن قبلۂ عالم کی خدمت میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک رات ایسی بستی میں ٹھہرا کہ وہاں صبح کے وقت کسی رئیس کے گھر ولیمہ کی عام دعوت تھی صبح ہوتے ہی دعوت کا چرچہ عام ہو گیا اور لوگ اطراف و اکناف سے دعوت کھانے کیلئے آنے لگے۔ لیکن میرے پاس بھنے ہوئے چنے تھے میں نے ان کو کھا کر پانی پیا اور شکرانۂ الٰہی بجا لا کر شیخ کی طرف چل پڑا راستہ میں لوگ مجھے دعوت کیلئے روکتے اور اس کے چھوڑنے پر مجھے دیوانہ سمجھتے تھے مگر میں غذا محتاط نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا تقویٰ کے خلاف سمجھتا تھا۔

دراصل حضرت خواجہ صاحب کو نفس کشی میں بھی درجۂ کمال حاصل تھا۔ غذا کے معاملہ میں اسقدر محتاط ہونے میں حضرت کے اس اہتمام نفس کشی کو بھی دخل تھا۔ والد صاحب نے اپنی تالیف "حیات فضلیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ کی سچی تصویر تھے۔ آپکا لباس طعام رفتار گفتار غرض ایک ایک چیز آپ کی اس حالت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ آپ کا عالم یہ تھا کہ آپ روزمرّہ ضروریات کیلئے بھی اپنے گھر والوں تک سے کبھی کسی احتیاج کا اظہار نہ فرماتے حتیٰ کہ کھانا تک بھی اگر گھر والوں میں سے کسی کو خیال آگیا اور اس نے کھانا سامنے لاکر رکھ دیا تو کھالیا ورنہ کئی کئی وقت بھوکے رہتے اور کسی سے حاجت ظاہر نہ فرماتے ایسے واقعات مسکین پور شریف کے سالانہ اجتماعات کے موقعہ پر اکثر پیش آیا کرتے ایسے مواقع پر خلق خدا کا ہجوم ہوتا تھا۔ لوگ پیچھا نہ چھوڑتے اور اپنی ضرورتیں بیان کرتے رہتے۔ ہر ایک کو حضرت صاحب خندہ پیشانی سے جواب دیتے رہتے۔ بسا اوقات دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے کمزور اور نڈھال ہوجاتے۔ بھوک کی تاب گرنے کے قریب ہوجاتے مگر زبان سے ذکر تک نہ فرماتے۔ حضرت خواجہ صاحب کی عادت تھی کہ مہمانوں کو کھلائے بغیر کبھی کھانا نہ کھاتے۔ اکثر صبح کو ایک بجے اور رات کو گیارہ بجے مہمانوں کا کھانا تیار ہوتا۔ اس قدر پیرانہ سالی کے باوجود آپ انتظار فرماتے۔ مہمانوں کی خدمت گذاری میں اس قدر شغف تھا کہ ابتدائی زمانہ میں حضرت اپنے ہاتھ سے چکی میں آٹا پیس کر مہمانوں کے لئے لاتے۔ زوجہ محترمہ روٹیاں پکاتیں اور حضرت اپنے سر پہ رکھ کر لاتے۔ اپنی زمین کی پیداوار سے لنگر چلاتے اور فرمایا کرتے کہ ہم تو درویشوں کے نوکر ہیں۔ مزدوری کرتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ سردی کے زمانے میں گھر میں مہمانوں کی کثرت ہوتی زوجۂ محترمہ مشغولیت کی وجہ سے بستر کرنا بھول جاتیں تو آپ ایسے ہی ننگی چارپائی پہ لیٹ جاتے اور کسی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔ غرض کھانا کھانے کی بات ہو یا سونے کا معاملہ، نفس ہر حالت میں حضرت خواجہ صاحب کے تابع تھا۔

معلوم ہوتا ہے حضرت خواجہ صاحب قلت کلام اور قلت طعام پر بھی شدت سے عمل پیرا تھے؛ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ ناشتہ میں حضرت نے مشکل سے چند لقمے ہی تناول فرمائے ہوں گے۔ اسی طرح جتنی دیر حضرت ہمارے مکان پر تشریف فرما رہے بہت کم کلام فرمایا۔ قلت منام بھی یقیناً آپ کے معمولات میں شامل ہوگی مگر چونکہ حضرت کا قیام صرف چند گھنٹے ہی رہا اس لئے ہمارے گھر والوں میں سے کسی کو اس کا مشاہدہ نہ ہوسکا؛ والد صاحب سے البتہ سنا کہ حضرت صاحب